پروفیسر اکبر رحمانی

لمعہ حیدر آبادی کے نام اقبال کے خطوط
ایک جائزہ

علامہ اقبال کے انتقال کے بعد اُن کے مکاتیب جمع کرنے اور انھیں شائع کرنے کے لئے " ادارۂ اقبال" کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی گئی تھی جس کے سرپرست سر عبدالقادر مدیر " مخزن " لاہور، صدر میر سید اکبر علی خاں (راجہ آف پنڈر اول) اور نائب صدر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی تھے ـ شیخ عطاء اللہ اس ادارے کے ناظم تھے ـ لیکن اس ادارے کی تشکیل سے پہلے ہی شیخ عطاء اللہ نے مکاتیب اقبال جمع کرنے کا کام شروع کر دیا تھا ـ اس مقصد کے لئے وہ حیدر آباد بھی گئے جہاں انھوں نے اقبال کے دوستوں اور عقیدت مندوں سے ملاقاتیں کر کے بہت سارے خطوط جمع کیے ـ حیدر آباد میں جس شخص نے مکاتیب اقبال جمع کرنے میں سب سے زیادہ تعاون کیا وہ ڈاکٹر لمعہ ہی کی ذات تھی ـ شیخ عطاء اللہ نے " اقبالنامہ " کے دیباچے میں اس مخلصانہ تعاون کا اس طرح اعتراف کیا ہے ـ

> " سر عبدالقادر نے مجھ پر سب سے بڑا کرم یہ کیا کہ ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ (حیدر آبادی) جاگیردار تونڈا پور مشرقی خاندیس سے میرا تعارف کرا دیا اور اسطرح اس خدمتِ ملّت کے لیے مجھے اقبال کے ایک نوجوان مخلص دوست ، مدّاح اور عقیدت مند میسر آگئے ، جنھوں نے نہ صرف مکاتیبِ اقبال کا ایک گراں قدر مجموعہ مرحمت فرمایا بلکہ دوسروں سے مکاتیب حاصل کرنے میں تعاون کیا " ـ
>
> (دیباچہ اقبال نامہ حصہ اوّل)

علامہ اقبال نے لمعہ حیدر آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں اُن کے ایک ایک لفظ سے عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے ـ

اقبال نامہ حصہ اوّل میں لمعہ کے نام جو خطوط ہیں اُن کے علاوہ بھی کئی خطوط ایسے تھے جن میں علامہ نے اپنی ازدواجی اور خانگی زندگی کے حالات بیان کیے تھے اور ان معاملات پر لمعہ سے مشورے بھی طلب کیے تھے ۔ مگر افسوس کہ ایسے تمام خطوط لمعہ نے ضائع کردیے ۔ جب راقم الحروف نے ان قیمتی خطوط کے ضائع کرنے کی وجوہ سے متعلق استفار کیا تو لمعہ صاحب نے فرمایا:

" خطوط دو اشخاص کے دلی جذبات و احساسات کے آئینہ دار ہوتے ہیں ۔ کبھی کبھی مکتوب نگار اس یقین کے ساتھ اپنی نجی زندگی کے اسرار سے پردہ اٹھاتا ہے کہ یہ راز اور باتیں مکتوبِ الیہ تک ہی محدود رہیں گی اور دوسروں پر ظاہر نہ ہونگی ۔........... میں خطوط کو ہمیشہ نج کی باتیں سمجھتا آیا ہوں اس لیے انہیں شائع کرنا تو دور رہا دوسروں کو دکھانا تک معیوب سمجھتا ہوں ۔ میرے بھائی یہ دنیا ہے ۔ یہاں اچھے لوگ بھی ہیں اور بُرے بھی ۔ مجھے آخرت کا ہمیشہ خیال رہتا ہے اور وہاں کی باز پُرس سے بہت ڈرتا ہوں ۔ اگر کوئی ان نجی خطوط غلط مقصد کے لئے استعمال کرے تو آخرت میں علامہ اقبال کو کیا منہ دکھاؤں گا ؟ ..... بس اسی خوف کی وجہ سے میں نے وہ سب خطوط ضائع کر دیے ۔ میں نے یہی بات شیخ عطاء اللّٰہ سے بھی کہی تھی جب وہ مکاتیب اقبال جمع کرنے حیدرآباد تشریف لائے تھے ۔ .... میں نے وہ تمام خطوط دینے سے انکار کر دیا تھا جو " اقبالنامہ " میں شائع ہو چکے ـــ مگر سر عبدالقادر نے مکاتیبِ اقبال کی اہمیت و افادیت سے متعلق خط لکھا اور اِصرار کیا کہ اقبال کی نجی زندگی کے علاوہ دیگر مکاتیب شیخ عطاء اللّٰہ کے حوالے کر کے اُن کے ساتھ تعاون کریں ..... سرعبدالقادر ہی کے ایما پر میں نے مکاتیب اقبال جمع کرنے میں شیخ عطاء اللّٰہ کے ساتھ تعاون کیا اور اُن کی ملاقات ایسے ایسے لوگوں سے کروائی جہاں وہ پہنچ بھی نہ سکتے تھے ۔ .... شیخ عطاء اللّٰہ کو میں نے علامہ اقبال کے تقریباً پچاس

ساٹھ خطوط دیے تھے ۔ ان میں سے صرف ۲۹ خطوط "اقبالنامہ" میں شائع ہوئے ۔ بعد میں پتا چلا کہ بقیہ خطوط سرشیخ عبدالقادر نے اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے ۔ ان خطوط کی واپسی کے لیے میں نے پھر کوئی خط و کتابت نہ کی ۔

(ڈاکٹر لمعہ سے ایک انٹرویو)

اقبالنامہ جلد اوّل میں جو خطوط شائع ہوئے ہیں ان کے مطالع سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال اور لمعہ حیدرآبادی کے درمیان گہرے اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے جہاں اقبال کی شخصیت و سیرت کے کئی پہلوؤں کا علم ہوتا وہاں "لمعہ کی شخصیت اور ان کی صلاحیتوں سے بھی تعارف حاصل ہوتا ہے [1] ۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ لمعہ کو اقبال سے بڑی گہری محبت اور عقیدت تھی اور اقبال بھی لمعہ سے محبت رکھتے تھے ۔

اِن خطوط میں اقبال نے اپنے دل کی دھڑکنیں انہیں سنائی ہیں ۔ ایک طرف وہ لمعہ کی قدم قدم پر رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اسے مفید مشوروں سے نوازتے ہیں ۔ دوسری طرف وہ اس نوجوان طالب علم کے مفید مشوروں کو قبول کرنے اور اس کی رائے کا احترام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے ہیں ۔ اِس سے اقبال کے کردار کی عظمت اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے ، اور یہ الزام قطعی بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے کہ اقبال نے ہمیشہ اعلٰی طبقے کے لوگوں ہی کو پسند کیا اور عامیوں اور ادنٰی طبقے کے لوگوں سے احتراز کیا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال کے جن لوگوں سے مراسم تھے اور جن لوگوں کو خطوط سے نوازا اُن میں اکثریت کا تعلق امرا اور اعلٰی طبقے سے ہے ۔ ان میں راجے ، نواب ،

---

[1] یہ انٹرویو ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی کی زندگی ہی میں لیا گیا تھا ۔ لمعہ کے نام اقبال کے خطوط کی روشنی میں یہ انٹرویو تھا جو میری ذاتی ڈائری میں آج بھی محفوظ ہے ۔ اسے کہیں شائع نہیں کیا گیا ہے ۔ (اکبر رحمانی)

وزرا ، علماء ، فضلاء ، پروفیسر اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگ ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں ادنیٰ اور عام طبقے کے لوگوں سے نفرت تھی ۔ اُن کے گھر کا دروازہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے لئے کھُلا تھا ۔ اُن کے یہاں امیر و غریب کے درمیان کوئی تفریق نہ تھی ۔ چھوٹوں کے ساتھ بھی وہ محبت و احترام سے پیش آتے تھے ۔ اس کی بیّن مثال جواں سال ڈاکٹر لمعہ سے اُن کے مراسم تھے ۔ یہ مراسم ایسے تھے کہ بڑے بڑے لوگ بھی اس پر رشک کرتے تھے ۔ شاید ہی اعلیٰ طبقے کے کسی فرد کو یہ شرف حاصل رہا ہو ۔

اقبالؒ کا لمعہؔ کی شاعری پر اصلاح دینا

لمعہ اقبال کے سیدائی تھے ۔ وہ کلام اقبال سے متاثر ہو کر اشعار رکھتے اور پھر ان اشعار کو نزرِعقیدت کے طور پر علامہ اقبال کی خدمت میں روانہ کرتے تھے ۔ اُن کی دلی تمنّا تھی کہ علامہ اقبال اُن کے کلام پر اصلاح فرمائیں ۔ چنانچہ میں لمعہ نے اصلاحِ کلام کے لیے اقبال کو کئی خطوط لکھے ۔ اُس زمانے میں اُستادی و شاگردی کی ہر طرف دکانیں لگی ہوئی تھیں جو بھی کوچۂ شاعری میں قدم رکھتا کسی نہ کسی کو اپنا استاد بنا لیتا تھا ۔ ہر قریہ اور شہر میں یہ دکانیں اس قدر چمکی ہوئی تھیں کہ ہر استاد کے ساتھ شاگردوں کا ایک جمِّ غفیر ہوا کرتا تھا ۔ علامہ اقبال کی انقلاب پسند طبعیت ان فرسودہ رواجوں اور رسوم کی قائل نہ تھی ۔ اگرچہ ابتدا میں انھوں نے بھی زمانے کی مروّجہ اس روایت کو گلے لگایا تھا مگر بہت جلد وہ اس کوچے سے نکل آئے تھے ۔

جب علاّمہ اقبال کی شاعری پورے ملک میں مقبول ہونے لگی تو ہر مبتدی نے اپنے کلام پر اُن سے اِصلاح کرانا چاہی مگر اقبال نے ہمیشہ اِصلاحِ سخن سے پہلو تہی کی ۔ ڈاکٹر لمعہ کو بھی ابتدا میں انھوں نے نہایت نرم انداز میں جواب دیا :

جنابِ من ڈاکٹر لمعہ ! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے ۔ فی الحال اصلاحِ شعر سے معاف

فرمائیے کہ فرصت بالکل نہیں ۔ کسی فرصت کے وقت
دیکھوں گا ۔ اُمید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے ۔

مخلص : محمد اقبال

۷ مئی ۱۹۲۹ء [۲]

اِس مختصر خط کے لب و لہجے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کسی کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے ۔ وہ اگر چاہتے تو واضح اور دو ٹوک انداز میں لکھ سکتے تھے کہ "میں استادی و شاگردی کی رسم کا قائل نہیں ہوں ۔ اصلاحِ شعر میرا پیشہ نہیں نہیں ہے ۔ آئیندہ آپ اس کے لیے خط نہ لکھیں ۔" مگر انھوں نے کچھ اس انداز میں معذرت طلب کی کہ دل شکنی نہ ہو۔اگرچہ یہ نہایت معمولی اور چھوٹی بات ہے لیکن اس سے بھی اقبال کے اخلاق و کرادر کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس "معذرت نامہ" سے لمعہ مایوس نہیں ہوئے بلکہ ان الفاظ کو پڑھ کر کہ "...... کسی فرصت کے وقت دیکھوں گا" ۔ اُن کے دل میں امید کی شمع روشن ہوئی ۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کرتے رہے ۔ علامہ موصوف نے بھی اُن کی کبھی دل شکنی نہیں کی بلکہ ان کی ہمت بڑھاتے رہے لیکن ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیتے رہے کہ وہ شعر و سخن میں کم وقت صرف کریں ۔ چنانچہ ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

لاہور ،

۲۴ ۔ فروری ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر عباس علی خاں لمعہ

میں نہایت ممنون ہوں کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنی نظمیں بھیجتے رہتے ہیں ۔ اگر میں آپ کی اس توجہ کا ہمیشہ بروقت شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں تو اِسے میری بے رُخی پر محمول نہ فرمائیے اور نہ یہ سمجھیے کہ میں اس جذبے کی جس کے تحت آپ مجھے یہ تحفہ بھیجتے ہیں پوری پوری قدر کرنے میں کوتاہی کا مرتکب ہوں ۔ میں ہمیشہ انھیں بڑی دلچسپی سے پڑھتا ہوں کیوں

---

[۲] اقبال اور حیدرآباد از نظر حیدرآبادی ص ۲۳۱

کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس حد تک اپنی نظموں کو آپ معنویت یا روحانیت کا حامل بنا سکے ہیں ۔ آپ میں ایک معنوی میلان پایا جاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا برمحل استعمال کریں ۔ میرے خیال میں اردو کو اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ اختیار کرنے میں آپ نے بڑی دانائی سے کام لیا ہے۔ اپنی زبان غیر زبان سے ہر حالت میں بہتر ہوتی ہے ۔ اُمید ہے کہ آپ کی صحت اب اچھی ہوگی ۔ کیا آپ کو بروقت ایک گُر بتادوں ؟ ـــــــ شعر و سخن میں کم وقت صرف کیجیے تو آپ کی صحت کو فائدہ پہنچے گا ۔"

مخلص : محمد اقبال [۳]

اس جواب سے ڈاکٹر لمعہ کی ہمت بڑھی اور انھوں نے مشقِ سخن کو جاری رکھا ۔ بیماری کی حالت میں بھی شعر گوئی ترک نہیں کی ۔ ایک بار ڈاکٹر لمعہ کئی دنوں تک "نارو" جیسے جان لیوا مرض میں مبتلا رہے ۔ اس حالت میں بھی آپ نے [۴] "نارو" پر ایک دلچسپ اور مختصر نظم لکھ کر اقبال کی خدمت میں روانہ کی ۔

نارو کے درد کا بھی عطیہ ہمیں ملا
یہ درد کیا ہے تارِ محبت کا سلسلہ
ہے سوز اس میں آتشِ غرور کا نہاں
سوزش بھی اس کی سوزِ محبت کی ہے زباں
نارو کا تار عشق کی زندہ مثال ہے
پیچیدگیوں میں اس کی قیامت کی چال ہے
بچپن سے جو کہ آتشِ غرور میں پلا
خائف وہ درد سے کبھی ناروکے بھی ہوا

علامہ اقبال نے نظم کافی پسند کی اور ایسی سخت علالت میں بھی شعر گوئی ترک نہ کرنے پر انھیں مبارک باد دی ـــ علامہ اقبال تحریر فرماتے ہیں ۔

" آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ۔ آپ کی طویل علالت کی

---

[۳] اقبالنامہ حصہ اول ۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۲۶۶
[۴] ایضاً ص ۲۶۹

خبر سُن کر مجھے افسوس ہوا ـ نارو کا مرض ، واقعی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے ـ صفائی کا خیال رکھیے ـ یہ اپنی مقرّرہ مدت پر اچھا ہوتا ہے ـ خدا سے اُمید ہے کہ وہ بہت جلد آپ کو شفایاب فرمائے گا ـ اتنی سخت علالت میں آپ کے مشاغل نہایت قابلِ مبارک باد ہیں ـ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عقل وحواس پر قابو پا رہے ہیں ـ تکلیف اور خوف کا احساس آپ سے دور ہو رہا ہے ـ ...... آپ کی نارو ، والی نظم بہت دلچسپ ہے ـ

(خط مرقوم یکم اگست ۱۹۳۲ء)

علامہ اقبال کا لمعہ کی نظموں کو دلچسپی سے پڑھنا ، ان کے اشعار میں روحانیت اور معنویت کی تلاش کرنا اور پھر یہ کہنا کہ " آپ میں ایک معنوی میلان پایا جاتا ہے " لمعہ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف ہے ـ علاّمہ کی اس تعریف نے لمعہ کی ہمت اور بڑھائی اور انھوں نے مشقِ سخن جاری رکھی ـ حالانکہ اقبال نے خرابئ صحت کی وجہ سے لمعہ کو شعرو سخن میں کم وقت صرف کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بعدازاں انھوں نے جو خطوط لکھے اُن سے پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے لمعہ کی شاعری کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے ـ اِسی پر انھوں نے بس نہیں کیا بلکہ اپنی گذشتہ رائے اور مشورے میں تبدیلی کرتے ہوئے لمعہ کو شعر و سخن میں اپنا وقتِ عزیز صرف کرنے کا دوستانہ مشورہ بھی دیا ـ نیز " لطفِ سخن" اور "بے ساختہ پن " پیدا کرنے کے لئے مشقِ سخن جاری رکھنے کی بالواسطہ ہدایت بھی کی ـ

محبّی لمعہ صاحب ـ تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ملا ـ یاد فرمائی کا شکریہ .... آپ کے خطوط اور خالات پڑھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوتی ہے ـ اس اخلاق کا شکر گزار ہوں ـ ہاں آج کل کیا مشاغل ہیں ـ آپ بھی جوان اور آپ کی شاعری بھی جوان ـ مجھے تو آپ کی نظموں میں ایک خاص جذبہ نظر آتا ہے ـ اور زبان کی سلاست سے معلوم ہوتاہے کہ آپ جو کچھ کہہ جاتے ہیں بلا تکلف کہہ جاتے ہیں ـ اسی کا نام آمد ہے ـ یہ کیفیت

من جانبِ اللہ ہے ۔ کوشش سے حاصل نہیں ہوتی ۔
آند کہتا ہے :

مشق کر مشق تا لطفِ سخن پیدا ہو
خود بخود شعر میں بے ساختہ پن پیدا ہو

۵ (خط مرقوم ۱۹ مارچ ۱۹۳۳ء)

ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

" جنابِ من ـــــ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے ۔ میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقتِ عزیز ضرور صرف کریں"۔

۶ (خط مرقوم ۳۰ جون ۱۹۳۳ء)

۶ جولائی ۱۹۳۳ء کے خط میں بھی اسی مخلصانہ مشورے کا ذکر ہے کہ ۔ " آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک نہ کریں "

(اقبالنامہ حصہ اول ۲۷۷)

ایک اور خط میں علامہ اقبال ، لمعہ کے کلام میں پائی جانے والی معنویت اور وجدان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" مکرّم بندہ ۔ تسلیم

.... میں نے آپ کا کلام دیکھا ہے اور تازہ تر نظمیں بھی ۔ مجھے شعریت سے زیادہ معنویت نظر آئی اور میں بے حد متاثر ہوا ۔ میری یہ خواہش ہے کہ اس قدرتی عطیہ کو آپ بہترین طریقے سے استعمال کریں ۔ آپ کے اکثر اشعاروجدان کے حامل ہیں "

۷ (خط مرقوم یکم دسمبر ۱۹۳۳ء)

ڈاکٹر لمعہ کو فنِ شاعری سے زیادہ واقفیت نہیں تھی بلکہ وہ بقول مولانا روم اکثر کہا کرتے تھے کہ " من ندانم فاعلاتن فاعلات " مگر فارسی اور انگریزی ادبیات پر اُن کی نظر بڑی گہری تھی ۔ ان کی طبعیت میں شاعری کا ملکہ فطری تھا ۔ وہ شعر و سخن کے لئے موزوں طبعیت رکھتے تھے ۔ بہ ایک

---

۵ ایضاً ص ۲۷۳
۶ ایضاً ص ۲۷۵
۷ ایضاً ص ۲۷۶

خداداد عطیہ تھا ۔ اس خصوصیت کو فارسی شاعر انوری نے " فیض یزادنی " سے تعبیر کیا ہے جس کے بغیر سچی شاعری تکمیل نہیں پاتی ہے ۔

شاعری را سہ چیز می باید
تاکہ اشعار برمراد آید
طبع و تحصیل و فیض یزدانی
ہر کرا نیست ژاژمی خاید

اس خصوصیت نے لمعہ کی شاعری کو معنویت اور وجدان عطا کیا تھا ۔ چونکہ ڈاکٹر لمعہ کو فنِ عروض سے بہت کم واقفیت تھی اس لیے وہ چاہتے تھے کہ علامہ اقبال اُن کے کلام پر اصلاح دیں ۔ اس طرح فنِ عروض اور شعر کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بھی آگاہی ہو جائے ۔ لمعہ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ دل پر گزرتی تھی اُسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر لیتے تھےاورنظرثانی کیے بغیر علاّمہ اقبال کی خدمت میں ارسال کر دیتے تھے ۔ جب کلام پر اِصلاح کے لیے اصرار حد سے بڑھا تو علاّمہ نے بھی اُن کے کلام پر توجہ دینا شروع کیا ۔ علاّمہ جہاں ضرورت ہوتی کلام میں درستی اور اِصلاح کر دیتے اور کلام کے متعلق اپنی رائے کا بھی اظہار فرما دیتے ۔ لمعہ بعض اوقات اپنا کلام بیاض میں نقل کر کے پوری بیاض اِصلاح کے لیے علاّمہ کی خدمت میں ارسال کر دیتے ۔ ایک خط میں علامہ اقبال تحریر کرتے ہیں ۔

محبّی لمعہ صاحب سلمّہ ، ۔ تسلیم

ابھی محبت نامہ صبح صبح ملا ۔ حالانکہ میرے لب تبسّم آشنا نہیں ہیں تاہم آپ کے خط سے متحرک ہوجاتے ہیں ۔ آپ کی نثر بھی نظم سے کم نہیں ہوتی ۔

اللہّ کرے زورِ قلم اور زیادہ !

آپ کی نظم و نثر کی بیاض محفوظ ہے ۔ کہیں کہیں درست کرنے کی ضرورت پڑی ۔ واپس کرنے میں خوف ہو رہا ہے ۔ کیا واپس ہی کردو ؟ لیکن پہنچنے نہ پہنچنے کا میں ذمہ دار نہیں ۔ یا رہنے دیجیے جب آپ سے ملاقات ہو گی دست بدست لے لیجیے ۔ بہرحال جو مناسب ہو مطلع کیجیے ۔

آپ کے مشاغل کیا ہیں ؟ کیا شاعری جاری ہے ؟ کبھی کبھی

جب طبیعت لگے ضرور شعر کہیے - آپ کی طبیعت شاعری کے لیے مناسب ہے اور آپ کی نظموں میں مجھ کو لطف آتا ہے - ......
خدا نے آپ کو ادب کی خدمت ، مخلوق کی خدمت (ڈاکٹری)
ساتھ ساتھ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور جوانوں کو کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے - "

[۸] (خط مرقوم ۲۱ ، جون ۱۹۳۵ء)

اسی خط میں علامہ اقبال نے لمعہ سے کہا تھا کہ - "چھوٹی چھوٹی کہانیاں بھی نثر میں لکھیے - آپ کی نثر بھی دلچسپ ہوتی ہے " - چنانچہ لمعہ کی بیاضِ نثر و نظم دیکھنے کے بعد علامہ اقبال نے جو رائے دی ہے وہ اس قدر بلیغ ہے کہ لمعہ کو پوری شاعری اور نثر نگاری کی روح اس میں سما گئی ہے - اس سے بڑھ کر اور کوئی رائے بہتر نہیں ہو سکتی -

علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

"....... آپ کے افسانے اور کلام بعد مطالعہ واپس کر رہا ہوں - ماشاءاللہ خوب ہیں"-

رموزِ فطرت کا ایک مبصّر تیرے خیالوں میں گا رہا ہے
تو خود شناسی سے اپنی دنیا کو رازِ انساں بتا رہا ہے

[۹] (خط مرقوم ۱۲، اپریل ۱۹۳۲ء)

لمعہ کی شاعری کے متعلق علامہ اقبال کے تعریفی وتوصیفی کلمات پر چند تذکرہ نگاروں اور نقّادوں نے [۱۰] تعجّب کا اظہار کیا ہے - یہاں یہ بات دھیان میں رکھنا چاہیے کہ اقبال نے کافی غور و فکر کے بعد لمعہ کی شاعری پر اپنی رائے دی ہے - ابتدا میں اقبال نے لمعہ کو شعر و سخن میں کم وقت صرف کرنے کا مشورہ دیا ، اصلاحِ کلام سے معذرت کی - پھر تین چار سال مشقِ سخن ہو جانے کے بعد اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور کلام میں پائی جانے والی معنویت اور وجدان کی تعریف کی -

---

۸ ایضاً ص ۸۲ - ۲۸۱
۹ ایضاً ص ۸۸ - ۲۸۷
۱۰ ایضاً ص ۲۸۱

جب علامہ کو یقین ہو گیا کہ لمعہ میں شعر کہنے کی صلاحیت موجود ہے اور اشعار میں معنویت ، آمد اور وجدانی کیفیت ملتی ہے تب انھوں نے لمعہ کو شعر و سخن میں اپنا وقتِ عزیز صرف کرنے کا مشورہ دیا ۔ اس لیے لمعہ کی شاعری سے متعلق اقبال کے تعریفی و توصیفی کلمات کو "خیالِ خاطرِ احباب" کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ کلمات تعجّب انگیز کہے جا سکتے ہیں ۔ ہاں ۔ یہ بات یقیناً تعجّب انگیز اور حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ اقبال جیسے عظیم فلسفی شاعر نے جس شخص (لمعہ حیدرآبادی) کی شاری کی اس قدر تعریف و توصیف کی ہے وہ اردو داں طبقے کے لیے نہایت غیر معروف رہا اور بقول نظر حیدر آبادی " اقبال سا شاعر جن کی صلاحیتوں کا معترف ہے وہ حیدرآباد میں بھی اتنا ہی گمنام رہا"[11]

یہ گم نامی لمعہ کی زندگی کا ایسا مقدر بنی کہ اسی حالتِ گم نامی میں وہ دیول گاؤں ماہی (ضلع بلڈانہ برار) جیسے غیر معروف مقام پر ۲ مارچ ۱۹۷۷ء کو ۲۷ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ۔ نہ کسی اخبار اور رسالے میں اُن کے انتقال کی خبر شائع ہوئی اور نہ ادبی حلقوں میں رنج و غم کا اظہار ہوا اور نہ کسی نے خراجِ عقیدت پیش کیا ۔

علامہ اقبال کو نوجوان عقیدت مند لمعہ سے محبت تھی ۔ وہ اُن کی شاعری کو نہ صرف سراہتے تھے بلکہ اُن کے کلام پر اصلاح بھی دیتے تھے ۔ اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے تھے ۔ ایک خط میں علامہ اقبال لمعہ کو مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

" ...... مشق کیے جائیے اور جو کچھ آپ کا ضمیر آپکو لکھائیے فوراً قلم بند کر لیا کریں ....."

[12] (خط مرقوم ۷ جولائی ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبال نے لمعہ کو مشقِ سخن ہی کا مشورہ نہیں دیا بلکہ انھیں اچھے شعر کی خوبیوں سے بھی آگاہ کیا اور فنِ شاعری کے اسرار و رموز سے بھی باخبر کیا ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء

---

[11] اقبال اور حیدرآباد ۔ از نظر حیدرآبادی ص ۲۳۱

[12] ایضاً ص ۲۳۱

کے مکتوب میں علاّمہ اقبال نے قدیم و جدید شاعری پر بحث کرتے ہوئے لمعہ کو نہایت مفید مشوروں سے نوازا ہے ۔

"...... آپ کے جواہر پارے گنجِ سخن میں محفوظ ہیں اور میں دیکھ کر محظوظ ہو رہا ہوں ۔ خدا کرے آپ کو شاعری کے لیے کافی مہلت مل جائے ۔ سُنیے ۔ غزل اور رُباعی کے لیے قافیہ کی شرط تو لازمی ہے ۔ اگر ردیف بھی بڑھا دی جائے تو سخن میں اور بھی لُطف بڑھ جاتا ہے ۔ البتہ نظم ردیف کی محتاج نہیں ۔ قافیہ تو ہونا چاہیے ۔

اب کچھ عرصے سے بلاِ ردیف و قافیہ نظمیں لکھی جاتی ہیں اور یہ انگریزی نظموں کی تقلید ہے جس کا نام انگریزی میں " بلینک ورس " ہے جس کو " نثر مر جز " کہنا چاہیے ۔ اگر یہ پبلک مزاق کچھ ایسا ہو چلا ہے مگر میرے خیال میں یہ روش آئندہ مقبول نہ ہو گی ۔ نظموں کے لئے اولاً سبجکٹ اورمضامین تلاش کرنے کی ضرورت ہے ۔ نیچرل مضامین تو سبجکٹ ہی کے اعلیٰ انتخاب سے کچھ لطف دیتے ہیں ۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ حتی الامکان آپ کی نظمیں اس خصوصیت سے مالا مال ہوتی ہیں ۔ کلام کی پختگی تو اب بھی آپ کے خیالات میں موجود ہے اور مشق سے ہوتے ہوتے حاصل ہو گی ۔

قدیم شاعری اور جدید شاعری کا سوال بھی سرمایہ ادب کا ایک سبجکٹ ہو گیا ہے ۔ میں فقط فرسودہ مضامین کی حد تک قدیم و جدید کی بحث کو مانتا ہوں ۔ شاعری کی جان تو شاعر کے جذبات ہیں ۔ جذبات اِنسانی اور کیفیاتِ قلبی اللہ کی دین ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طبعِ موزوں اس کے ادا کرنے کے لئے پُر اثر الفاظ تلاش کرے ۔ نظم کے اصناف کی تقسیم جو قدیم سے ہے ہمیشہ رہے گی اور انسانی جذبات ماحول کے تابع رہیں گے ۔ بس یہ سمجھ لیا جائے کہ جس شاعر کے جذبات ماحول سے اثر پذیر ہیں وہ جدید رنگ کا حامل متصوّر ہو سکتا ہے نہ کہ نفسِ شعری ! اگر ہم نے پابندئی عروض کی خلاف ورزی کی تو شاعری کا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا اور اِسی نقطۂ خیال سے یہ کہنا پڑے گا اور یہ کہنا درست ہے کہ موجودہ شعراکا کام تعمیری ہونا چاہیے نہ کہ تخریبی"۔ [۱۳]

یہ خط ادبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ اس خط سے اقبال کے نظریۂ شاعری نیز جدید شاعری بالخصوص بلاِ ردیف و قافیہ نظموں یا آزاد شاعری کے متعلق خیالات کا علم ہوتا ہے ۔ اس خط سے پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی کے سخت خلاف تھے اور اسے تخریب کاری سمجھتے تھے۔اُنکی نظرمیں شاعری کی جان جذبات و احساساتِ قلبی کا پُر اثر انداز بیان اور بلندئی مضامین ہے ۔ اس معیار اور کسوٹی پر ہی انھوں نے لمعہ کے کلام کو پرکھا تھا ۔ جب لمعہ کے کلام میں علوِّ تخیّل ، بلندئی مضامین ، خیالات میں پختگی ، طبعیت میں معنویت اور کلام میں وجدانیت نظر آئی تب انھوں نے مناسب جانا کہ فن شاعری سے ناواقفیت کی بنا پر جو خامیاں رہ گئی ہیں انھیں درست کریں ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۔ " علامہ اقبال جو ہمیشہ اصلاحِ سخن سے پہلو تہی کرتے تھے وہ لمعہ کو نہ صرف اپنے مشوروں سے مستفید کرتے ہیں بلکہ مسلسل اصلاحیں بھی دیتے ہیں " ۔ ۱۴ھ

علامہ اقبال نے لمعہ حیدرآبادی کی ایک نظم پر جو اِصلاح دی ہے وہ اقبالنامہ میں درج ہے ۔ اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ لمعہ میں شعر کہنے کی صلاحیت تھی ۔ علامہ اقبال اس نظم کے متعلق لکھتے ہیں ۔

" محبّی — تسلیم —

آپ کی نظم آج ہی ملی ۔ دیکھ کر آج ہی واپس کر رہا ہوں ۔ بار بار پڑھا ۔ بڑا لطف آیا ۔ اللّٰہ کرے زورِ قلم اور زیادہ .... "

۱۵ھ (خط مرقوم ۲۰ اگست ۱۹۳۶ء)

اب ذرا وہ نظم اور علامہ اقبال کی اِصلاح ملاحظ کیجیے ۔

لمعہ ہے نیپئن ہے اور آرزوئے وصال ہے

" نُ ← مشقِ خرام نیپئن ، موسمِ برشگال ہے

۱۳ھ اقبالنامہ حصہ اوّل ص ۲۸۹

۱۴ھ الیضاً ص ۸۰ ۔ ۲۷۸

۱۵ھ اقبال اور حیدرآباد ۔ ص ۲۳۱

ساحلِ نیپئن پہ آج عشق کا اور حال ہے
لب پہ سرورِ سرمدی ، حُسن سے قیل وقال ہے
موجیں ہیں نغمہ زن اِدھر ، ابر اُدھر ہے اشکبار
دونوں کی کشمکش میں آج حُسن بھی پائمال ہے
بربطِ دل میں لمعہ کے نغمے ہیں وہ نئے نئے
جس کا خدا ہے کار ساز ، جس میں خودی کا حال ہے
سوزشِ عشق نے مری شمع کو بھی بجھا دیا
میرے صدائے درد میں ہے تو یہی کمال ہے
علم کی جان و جسم میں میرا قیام ہے مدام
آنکھ میں شمس ہے اگر دل میں مرے جمال ہے
مجھ سے گناہگار پر اُف رے تری نوازشیں
دل بھی دیا دماغ بھی جاں بھی ہے منال ہے
اس کے سوا نہیں کوئی اور تو آرزو مری
وصل ہو دید کا مجھے ، دید میرا وصال ہے
جان کے دل کا راز وہ مجھ سے یہ پوچھتے ہیں پھر
آپ چھپا رہے ہیں کیوں آپ کا کیا سوال ہے
دل بھی دیا دماغ بھی جاہ بھی اور منال بھی
مری اگر ہے کوئی شئے آرزوئے وصال ہے
عشقِ مجاز نے مجھے ذوقِ طلب عطا کیا
دل میں جگر میں آنکھ میں ایک ترا خیال ہے
عرشِ خیالِ شعر پر لمعہ ہے آج جلوہ گر
نوکِ قلم سے زر فشاں رازِ خودی کا حال ہے

۱۶ھ

(حاشیہ: ن نمبر۱ — موجیں ہیں زور زور کی موسمِ برشگال ہے؛ ن نمبر۲ — ذوق؛ ن نمبر۳ — جان کے بھی وہ رازِ دل مجھ سے یہ پوچھتے ہیں پھر)

" ن " کی علامت کے ذریعے علامہ اقبال نے اس نظم میں جہاں جہاں اِصلاح کی ہے اُسے بغور ملاحظہ کیجیے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ نے جہاں ضرورت معلوم ہوئی وہیں اِصلاح کی ہے لیکن اس بات کا خیال رکھا کہ شاعر کا تخیّل مجروح نہ ہونے پائے ۔

میری محدود معلومات کے مطابق اِس نظم کے علاوہ علامہ اقبال کے اصلاحِ سخن کا کوئی اور نمونہ اب تک منظرِعام پر نہیں آیا ہے ۔ اِس اعتبار سے لمعہ حیدر آبادی واحد شاعر ہیں جنھیں علاّمہ اقبال نے اِصلاحِ سخن سے نوازا ۔ اور یہ بات یقیناً چونکا

دینے والی ہے ۔ کیونکہ اقبال کے تمام سوانح نگار اورنقاد اس بات پر متفق ہیں کہ انھوں نے نہ کسی کو اپنا شاگرد بنایا نہ کسی کے کلام پر اِصلاح دی ۔ [۱۷]

علاّمہ اقبال نے لمعہ کے کلام پر باقاعدہ اور مسلسل اصلاحیں دی ہیں ۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل مکاتیب کے مطالعہ سے ملتا ہے ۔

" .... آپ کا کلام میرے حدِ مزاق تک بہت پُرلطف ہے ۔ اس کی اشاعت میں تامّل کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ یہ آپ کے شوق کی بات ہے ۔ میں نے حتی الامکان جہاں ضرورت معلوم ہوئی ترمیم کی ہے لیکن آپ کے تخّیل کو مجروح ہونے سے بچایا ہے ۔ طبع کے وقت مکّرر غور بھی ممکن ہے اورانتخاب بھی ۔ یہ سب چیزیں بالمشاقہ انشاءاللّہ ٹھیک ہو جائیں گی"۔

[۱۸] (خط مرقوم ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء)

" ...... آپ کی نظم و نثر کی بیاض محفوظ ہے ۔ کہیں کہیں درست کرنے کی ضرورت پڑی ...... آپ کی طبعیت شاعری کے لئے مناسب ہے اور آپ کی نظموں میں مجھ کو لطف آتا ہے ...."

[۱۹] (خط مرقوم ۲۱ جون ۱۹۳۵ء)

" ...... میں یہ خط آپ کو بھوپال سے لکھ رہا ہوں ... آپ کی تازہ نظم پڑھ کر بہت خوش ہوا ۔ اس میں اِصلاح کی گنجائش نہیں ہے .... "

[۲۰] (خط مرقوم ۱۰ فروری ۱۹۳۵ء)

علاّمہ اقبال نے لمعہ کے کلام پر نہ صرف اصلاحیں دیں بلکہ انتخابِ کلام میں بھی رہنمائی فرمائی اور مجموعۂ کلام کے لیے نام بھی تجویز فرمایا ۔ لمعہ کے نام ایک خط میں علاّمہ اقبال لکھتے ہیں ۔

---

[۱۶] اقبالنامہ حصہ اوّل ص ۲۹۳

[۱۷] الیضاً ص ۲۹۵ ۔ ۲۹۳

[۱۸] اقبال اور حیدرآباد ص ۲۳۱

[۱۹] اقبالنامہ حصہ اوّل ۔ ص ۲۸۵

[۲۰] الیضاً ۔ ص ۲۸۷

"۰۰۰۰۰۰ رجسٹر اور خط موصول ہوا ۔ نظمیں ایک جگہ سب کی سب محفوظ ہیں ۔ انتخاب آپ کی مرضی پر موقوف ہے ۔ نظم ہو یا غزل مختلف مضامین کی حامل ہوتی ہیں اور ناظرین یا سامعین کی طبائع مختلف ۔ اس لیے میرے خیال میں اشعار کا انتخاب مشکل کام ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کلام مدارج کے لحاظ سے منتخب کیا جائے ۔ آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور آپ کے اکثر اشعار ایک وجدانی کیفیت رکھتے ہیں ۔ اپنے مجموعۂ کلام کے لئے آپ نے جو نام تجویز فرمائے ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے اور سب نام ایک سے ایک بہتر ! نظر انتخاب کہیں جمتی نہیں ۔ میری رائے میں آپ اپنے جملہ کلام کو ایک ہی نام سے معنون کریں اور جلد اوّل دوّم سے موسوم کریں ۔ " تقدیرِ اُمم " موزوں نام ہے ۰۰۰۰۰۰۰"

۲۱ (خط مرقوم ۲ فروری ۱۹۳۳ء)

علامہ اقبال کا لمعہ کی شاعری کو پسند فرمانا ، اُن کی طبیعت کی موزونیت کا اعتراف کرنا ، ان کی شاعری سے لطف اندوز ہونا ، انھیں مفید مشوروں سے نوازنا ، انھیں شعروسخن میں زیادہ وقت صرف کرنے کی تلقین کرنا ، اُن کے کلام کی نہایت بلیغ انداز میں تعریف و توصیف کرنا ، اُن کے کلام پر باقاعدہ اور مسلسل اصلاحیں دینا ، بیاض نثر و نظم کو درست کرنا ، انتخابِ کلام میں رہنمائی فرمانا اور مجموعۂ کلام کے لیے نام تجویز کرنا ۔ شاید ہی علامہ نے کسی نوجوان سے اتنی شیفتگی اور محبت کا اظہار کیا ہو ۔ یہ وہ اعزاز ہے جو شاید ہی علامہ اقبال کے کسی عقیدت مند کو نصیب ہوا ہو ۔

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی واحد شاعر ہیں جنھیں اقبال نے اصلاح سخن سے نوازا ہے ۔ اس لحاظ سے لمعہ کو اقبال کے حقیقی معنوں میں شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ اگر تحقیقِ بسیار کے بعد علامہ اقبال کے اور اور تلامذہ نکل آئیں تب بھی اُن میں لمعہ حیدرآبادی کا مقام سب سے نمایاں ہو گا ۔

---

۲۱ ایضاً ص ۲۸۳

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ اقبال کی انقلاب پسند طبعیت اُستاد شاگردی جسی رسم کی قائل نہیں تھی ۔ اِس لیے اگر انھوں نے کسی کے کلام پر اِصلاح دی تو یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ میرا شاگرد ہے ۔ جس طرح غالب ، ذوق ، آتش ، ناسخ ، داغ ، امیر مینائی اور سیماب جیسے اُستادانِ سخن کے تلامذہ کی لمبی لمبی فہرستیں ملتی ہیں ویسے علامہ اقبال کے تلامذہ کی کوئی فہرست نہیں ہے ۔ لیکن سوائے لمعہ حیدر آبادی کے اب تک کسی اور شاعر کا ایسا کلام سامنے نہیں آیا جس پر علامہ اقبال نے اِصلاح دی ہو ۔ اور وہ بھی مسلسل اور باقاعدہ ۔ اس لیے لمعہ حیدر آبادی کو " تلمیذِ اقبال " کہنا حقیقت کے عین مطابق ہے ۔

اقبال اور ٹیگور

" علامہ اقبال اور ٹیگور ہندوستان کے وہ جامع الکمال شعرا ہیں جن کے افکار و نظریات نے صرف ہندوستانی ادب ہی نہیں بلکہ عالمی ادب کو بھی متاثر کیا ۔ حالانکہ ان دونوں کے افکار و نظریات میں بیّن فرق ہے اور ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے ۔ [۲۲] دونوں آفاقی شاعر اور ہم عصر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ناآشنا تھے ۔ ان کے درمیان کوئی مراسم نہ تھے ۔ دنوں محبِّ وطن تھے اور ان کے قومی ترانے — " جن گن من " ۔۔۔ اور ۔ " سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا " — پورے ہندوستان میں مقبول تھے اور آج تقسیمِ ملک کے بعد بھی اُن کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے ۔ بلکہ اقبال کے ترانے کو آکاش وانی دور درشن پر جو مرتبہ حاصل ہے وہ اس سے پہلے کبھی نہ حاصل ہوا ۔

دورِ غلامی میں انگریزوں کی — " پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو " ۔ پالیسی نے ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر ڈالا تھا کہ دل و نظر میں کشادگی کی جگہ تنگی آ گئی تھی — ہر مسئلہ کو چاہیے وہ ادب و شعر سے متعلق کیوں نہ ہو ،

---

[۲۲] ۔ البلاغ ص ۴۷ ـ ۲۷۳

فرقہ وارانہ عینک سے دیکھا جاتا تھا ۔ چنانچہ اُس زمانےمیں بعض تنگ نظر نقاد اور سیاست داں ٹیگور اور اقبال جیسے محب وطن اور آفاقی شعرا کا موازنہ کر رہے تھے اورانھیں ایک دوسرے کا حریف و رقیب ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے ۔ حالانکہ ان دنوں شاعروں کے درمیان کوئی قدرمشترک نہ تھی اس لئے موازنے کی ضرورت نہ تھی ۔ لیکن اس کےباوجود اس زمانے میں " ٹیگور اور اقبال " کے نام سے ایک کتابچہ شائع ہوا جسمیں دونوں کا موازنہ کیا گیا تھا ۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اس قسم کے موازنے کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ صحیح اور بے لاگ ہے:۔

" آج کل بعض سخن سنج اقبال کے کلام کا مقابلہ ہندوستان کے ایک دوسرے نامور اور فخر ہندوستان شاعر ٹیگور کے کلام سے کرتے ہیں ۔ ٹیگور کے کلام میں بے شک پریم رس گھلا ہوا ہے۔ اس کی محبت عالمگیر ہے ۔ وہ تمام کائنات کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا ہے ۔ اس کی نظمیں پڑھ کر دل کو تسکین اور روح میں سرور پیدا ہوتا ہے ۔ لیکن اس میں وہ آگ نہیں جو اقبال میں ہے ۔ ٹیگور کے کلام میں نسائیت کا شائبہ پایا جاتا ہے اور اقبال میں مردانہ پن ۔ ٹیگو کا جذبۂ محبت گو بہت گہرا اور بے تھاہ ہے ، لیکن وہ اپنے حدود کو توڑ کر بھی آگے نہیں نکل جاتا اور باوجود کیف و وجد کے آپے سے باہر نہیں ہونے پاتا ۔ اقبال کا مطمح نظر اگرچہ مقابلتہً محدود ہے مگر زیادہ قوی ، زیادہ پُر زور ، اور زیادہ شور انگیز ہے ۔ ٹیگور کے ہاں نازک سے نازک موقع پر بھی عقل کی پرچھائیں آس پاس ضرور نظر آتی ہے ۔ مگر یہاں جذبات کے تلاطم کے سامنے بعض اوقات بیچاری عقل اپنی آبرو بچانے کے لئے اُچک کر الگ جا کھڑی ہوتی ہے ۔ وہاں جذب و کیف کے ساتھ خودداری ہے اور یہاں وارفتگی و شیفتگی:۔

باہر کمال اندکہ آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کُل شدۂ بے جنوں مباش [۲۳]

---

[۲۳] اقبالیات کا تنقیدی جائزہ از قاضی میاں اختر جوناگڑھی ص ۶۹

اِس اِقتباس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ٹیگور اور اقبال کی راہیں الگ الگ تھیں ۔ دونوں کی شاعری کا رنگ و آہنگ جُدا جُدا تھا ۔ اس کے علاوہ دونوں میں نظریاتی اختلاف تھا ۔ ایسی کوئی بنیاد نہ تھی کہ دونوں کا موزانہ کیا جاتا ۔ پھر بھی اس دور کے تنگ نظر نقاد ناگوار قسم کا موازنہ کر رہے تھے ۔ ایسے منافرت انگیز ماحول میں ڈاکٹر لمعہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دونوں کو ملانے کی کوشش کی ، ان کے درمیان ہونے والے ناگوار موازنے کا خاتمہ کیا اور اُن کے درمیان پیدا غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ لمعہ کو اقبال اور ٹیگور دونوں سے محبت و عقیدت تھی اور دونوں سے اُن کے نہایت مخلصانہ مراسم تھے ۔ جس طرح لمعہ اپنا اردو کلام علامہ اقبال کی خدمت میں بغرضِ اِصلاح روانہ فرماتے تھے اُسی طرح انگریزی کلام پر وہ گرودیو ٹیگور سے اِصلاح لیتے تھے ۔ ٹیگور نے بھی اقبال کی طرح لمعہ کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اُن کی انگریزی شاعری کی تعریف و توصیف کی ہے ۔ لمعہ ، اقبال کی خدمت میں اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی نظمیں بھی ارسال کرتے تھے اور ان نظموں سے متعلق ٹیگور کی رائے سے بھی انھیں آگاہ فرماتے تھے ۔ اس طرح وہ ٹیگور اور اقبال کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور متعارف کرانے کی بالواسطہ کوشش کر رہے تھے ۔ ایک خط میں علامہ اقبال ، لمعہ کو لکھتے ہیں ۔

"...... آپ کی انگریزی نظموں کا مجموعہ میں نے بغور دیکھا ہے اور ٹیگور کے خطوط بھی ۔ ٹیگور آپ سے بے حد خوش ہیں اور کیوں نہ ہوں انگریزی زبان پر بھی آپ کو اچھا خاصا عبور ہے ۔ بڑی خوشی کی بات ہے ۔ مشق کیے جائیے اور جو کچھ آپ کا ضمیر آپ کو لکھائے فوراً قلم بند کر لیا کریں ..."

(خط مرقوم ۷ جولائی ۱۹۳۵ء) [۲۴]

لمعہ اکثر اپنے خطوط میں ٹیگور کو اقبال کی شاعری سے متعارف کراتے رہتے تھے ۔ اس طرح انھوں نے اقبال کا غائبانہ

---

[۲۴] تنقیداتِ عبدالحق ۔ ص ۷۹

تعارف ٹیگور سے کروا دیا تھا ۔ لمعہ نے ایک خط میں ٹیگور اور اقبال کی شاعری میں پائے جانے والے ایک خاص، اندرونی تعلق کو واضح کرتے ہوئے ٹیگور سے فرمائش کی کہ وہ اِسی اعتبار سے کلامِ اقبال کا ضرور مطالعہ کریں اسی خط میں انھوں نے ٹیگور کو موجودہ حالات سے بھی آگاہ کیا اور بتایا کہ بعض تنگ نظر دونوں کے متعلق کیسی کیسی غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں اور کس قسم کا ناگوار موازنہ کیا جا رہا ہے ۔ ساتھ ہی انھوں نے ٹیگور سے گزارش کی کہ وہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ فرمائیں " ۔ [۲۵]

اس خط کے جواب میں ٹیگور نے جو خط لمعہ کو لکھا وہ یادگار حیثیت کا حامل ہے ۔ یہ خط بقول شیخ عطاءاللہ ـــــ " اقبال اور ٹیگور کو حریف و رقیب ثابت کرنے اولوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت ہے " [۲۶] ۔ اس خط سے اقبال اور ٹیگور کے درمیان کیے جانے والے " ناگوار موازنہ " کا نہ صرف خاتمہ ہوا بلکہ غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوا ۔ اس خط سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ٹیگور کے دل میں اقبال کے لیے کتنی عزت و عظمت تھی ! " اس خط میں ٹیگور نے عظیم ادیب اور عظیم شاعری کے بارے میں مختصراً جو اشارے کیے ہیں ، علامہ اقبال کی شاعری کی جو تعریف کی ہے اور اُن کے بلند ادبی مرتبے کا ذکر جس پُر خلوش لہجے میں کیا ہے اس کی وجہ سے یہ مکتوب ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے ۔ [۲۷]

ٹیگور کا یہ خط انگریزی میں ہے اور میری محدود معلومات کے مطابق اب تک اصل انگریزی خط کہیں نہیں شائع ہوا ہے ۔ صرف اس خط کا ترحمہ دیباچۂ ، اقبالنامہ حصہ اوّل، سہ ماہی فکر و نظر علی گڑھ شمارہ اکتوبر ۱۹۶۱ء اور " نیرنگِ خیال لاہور " کے اقبال نمبر میں شائع ہوا ہے ۔ راقم نے ڈاکٹر لمعہ کے پاس اصل خط دیکھا تھا اور اُسے اپنے ایک مضمون [۲۸]

---

[۲۵] اقبالنامہ حصہ اوّل ص ۲۸۹

[۲۶] ڈاکٹر لمعہ سے ایک انٹرویو ـــ اکبر رحمانی

[۲۷] دیباچہ اقبالنامہ حصہ اوّل

میں نقل کیا تھا ۔ اور اسی مضمون میں اس خط کا وہ اردو ترجمہ دیا تھا جو نیرنگ خیال کے " اقبال نمبر " میں اور اس کے حوالے سے سہ ماہی فکرو نظر علی گڑھ میں شائع ہوا تھا ۔ ذیل میں اس خط کا وہ ترجمہ دیا جا رہا ہے جو اقبالنامہ حصہ اوّل کے دیباچے میں شیخ عطاءاللہ نے شائع کیا ہے ۔ شاید انھوں نے ہی یہ ترجمہ کیا ہے :۔

" آپ کے نوازش نامے اور نظم نے میرے دل پر خاص اثر کیا مجھے یہ معلوم کر کے بے پایاں مسرت ہوئی کہ آپ اپنے شاعر اعظم سر محمد اقبال کے کلام اور میری نظموں مین ایک ربط باطنی محسوی کرتے ہیں ۔ ان زبانوں سے جن میں اقبال شعر کہتے ہیں ، ناواقفیت کی بنا پر اُن کی قوتِ تخلیق کی گہرائیوں تک نہ تو میری رسائی ممکن ہے اور نہ میں اُن کے کلام سے متعلق کوئی رائے پیش کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں ۔ لیکن اقبال کی نظموں کو جو شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی ہے اس کی بنا پر مجھے یقینِ واثق ہے کہ اقبال کے ان جواہر پاروں میں ادبِ جاوداں کی عظمت و تابناکی موجود ہے ۔

میرے لیے یہ خیال بارہا باعثِ اذیّت ہوا ہے کہ بعض نقاد میری اور سر محمد اقبال کی ادبی کاوشوں کو حریفانہ اور رقیبانہ میزان پر جانچ کر غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس ادب سے متعلق جس کا خطاب جملہ بنی نوع انسان سے ہو یہ روش حد درجہ مزموم ہے ، کیونکہ ادب عالمگیر کی مملکت میں بلالحاظِ زمان و مکاں شعرا و اصحابِ فنون کی ایک انسانی برادری معرضِ وجود میں آجاتی ہے ۔

مجھے یقین ہے کہ سر محمد اقبال اور میں ادب میں حسن و صداقت کے دو خدمت گار ہیں اور ہم اُس سرحد پر مل جاتے ہیں جہاں سے انسانی دل و دماغ اپنا بہترین و جمیل ہدیہ جاوداں عالمِ انسانیت کے حضور میں پیش کرتا ہے " ۔

ڈاکٹر لمعہ نے اقبال اور ٹیگور میں ملاقات کروانے کی بھی کوشش کی ۔ جب لمعہ کو معلوم ہوا کہ ٹیگور لاہور تشریف

---

[۲۸] سہ ماہی فکر و نظر علی گڑھ شمارہ اکتوبر ۱۹۶۱ء

لے جا رہے ہیں تو انھوں نے ایک خط کے ذریعے فرمائش کی کہ وہ اقبال سے ضرور ملاقات کریں ۔ چنانچہ ٹیگور لاہور پہنچنے پر اقبال کی مزاج پُرسی کے لیے اُن کے گھر گئے ۔ مگرسوٗاتفاق سے علاّمہ اقبال اُس وقت لاہور میں موجود نہ تھے ۔ علامہ اقبال نے لمعہ کے نام ایک خط میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

"۰۰۰۰۰۰۰۰۰آپ کی ایما پر ٹیگور میری مزاج پُرسی کے لیے لاہور آئے تھے مگر میں لاہور میں موجود نہ تھا اس لئیے ملاقات نہ ہو سکی ۔ آپ مطلع کر دیجیے ۰۰۰۰۰۰"

(خط مرقوم ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء) [۲۹]

مندرجہ بالا خطوط سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اقبال اور ٹیگور کے درمیان ڈاکٹر لمعہ کو ایک اہم جیثیت حاصل ہے ۔ بقول نظر حیدرآبادی : " لمعہ کی سعی و کوشش سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا اور ٹیگور لاہور کے دوران قیام اقبال کی مزاج پُرسی کے لیے اُن کے گھر گئے ۔ [۳۰]

بہرحال جب بھی کوئی سوانح نگار یا نقّاد ٹیگور اور اقبال کے تعلقات کا ذکر کرے گا لمعہ کی خدمات کو فراموش نہ کرے گا ۔

لمعہ کی نثر نگاری

" اقبالنامہ " میں لمعہ کے نام خطوط کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ لمعہ نہ صرف ایک اچھے شاعر تھے بلکہ بلند پایہ نثر نگار اور انشا پرادز بھی تھے ۔ اُن کے کلام کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے ۔ وہ مجموعہ کلام جس

---

[۲۹] اقبال،ٹیگور اور ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی، اس عنوان سے میرا ایک مضمون ماہنامہ قومی زبان کراچی شمارہ جنوری ۱۹۷۸ء ،پندرہ روزہ قومی راج بمبئی کے اقبال نمبر ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء اور ہُما ڈائجسٹ دھلی کے اقبال نمبر میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس مضمون میں ٹیگور کا اصل انگریزی خط بھی شائع ہوا ہے ۔ دراصل یہ خط ڈاکٹر لمعہ نے مجھے نقل کر کے دیا تھا ۔ اصل خط اُن کے پاس تھا ۔ (اکبر رحمانی)

[۳۰] اقبالنامہ حصہ اوّل ص ۲۸۷

کا نام خود علامہ اقبال نے " تقدیر اُمم " تجویز کیا تھا اور جس پر نظر ثانی کی تھی اس کے بھی شائع ہونے کی اب تک نوبت نہیں آئی ہے ۔ لیکن نثری شہ پاروں اور انشائیوں کا ایک مجموعہ " پریم رس " کے نام سے سر عبدالقادر مرحوم ایڈیٹر " مخزن " لاہور کی زیر نگرانی مخزن اردو پریس لاہور سے شائع ہو چکا ہے ۔ یہ نثری کتاب لمعہ کی زندگی ہی میں شائع ہوئی تھی ۔ اب یہ کتاب نایاب ہے ۔ اُس کا صرف ایک نسخہ ایوانِ ادبیاتِ اردو حیدرآباد میں موجود ہے ۔ لمعہ صاحب کے پاس ایک ہی نسخہ رہ گیا تھا جسے راقم الحروف نے دیکھنے کے بعد لوٹا دیا تھا ۔

" پریم رس " کا دیباچہ حکیم یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگِ خیال لاہور نے لکھا ہے ۔ سر شیخ عبدالقادر ، مولانا محمد علی جوہر ، مولانا مناظر احسن گیلانی ، نیاز فتحپوری ، بابائے اردو مولوی عبدالحق ، احسن مارہروی ، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور جیسے مشاہیر علم و ادب نے لمعہ کی نثر نگاری اور اسلوب بیان کی تعریف و توصیف کی ہے ۔ ۳۱ ؎

علامہ اقبال نے بھی اپنے خطوط میں لمعہ حیدرآبادی کی نثر نگاری کو سراہا ہے ۔

" ...... آپ کے افسانوں اور مثنوی سے میں نے استفادہ کیا ہے ۔ افسانے نہایت دلکش اور موثر ہیں ۔ زبان شُستہ ہے" ۳۲ ؎ (خط مرقوم ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء)

"..... آپ کی نثر بھی نظم سے کم نہیں ہوتی ۔ اللہ کرے زورِ قلم اورزیادہ ...... چھوٹی چھوٹی کہانیاں بھی نثر میں لکھئے ۔ آپ کی نثر بھی دلچسپ ہوتی ہے ....." ۳۳ ؎ (خط مرقوم ۲۱ جون ۱۹۳۵ء)

"..... آپ کے افسانے اور کلام بعد مطالعہ واپس کر رہا ہوں ۔ ماشاالله خوب ہیں ۔

---

۳۱ ؎ اقبال اور حیدر آباد ۔ ص ۲۳۲

رموز فطرت کا ایک مبصر ترے خیالوں میں گا رہا ہے
تو خود شناسی سے اپنی دنیا کو راز انساں بتا رہا ہے
[۳۴] (خط مرقوم ۱۲ اپریل ۱۹۳۴ء)

محمد علی جوہر کے بارے میں اقبال کا ایک اہم مکتوب

اقبالنامہ میں لمعہ حیدرآبادی کے نام بعض ایسے خطوط ہیں جن سے اقبال کے سیاسی طرزِ فکر پر روشنی پڑتی ہے ۔ اقبال محبِّ وطن ضرور تھے مگر وہ وطن کو خدا کا درجہ دینے کے سخت خلاف تھے ۔ کیونکہ اس نیشنلزم نے یورپ میں جو تباہ کن اثرات پھیلائے اُس سے اقبال اچھی طرح آگاہ تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مولانا محمد علی کی نیشنلسٹ سیاست کی کبھی تعریف نہیں کی ۔ نظر حیدر آبادی کہتے ہیں کہ ۔ " مولانا محمد علی کی ابتدائی سیاسی زندگی یعنی وطن پرستی اور نیشنل رجحانات کے بارے میں اقبال کی رائے ہمیشہ واضح رہی " [۳۵] چنانچہ مولانا محمد علی کے انتقال کے بعد انھوں نے لمعہ کو جو خط لکھا اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخری سالوں میں مولانا محمد علی نے نظریۂ وطنیت کے متعلق اپنی جو رائے تبدیل کی تھی ۔ یہ دراصل اقبال کے سیاسی طرزِ فکر کا عملی اعتراف تھا ۔ [۳۶]

---

[۳۲] ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی کی کتاب " پریم رس " پر جن مشاہیر علم و ادب نے رائیں دی ہیں انھیں اپنے ایک مضمون — " اقبال ، ٹیگور اور ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی " میں نقل کر چکا ہوں اس لیے یہاں اُن آرا کی تکرار کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ براہِ کرم مذکورہ مضمون میں اُن آرا کو ملاحظ کریں ۔
[۳۳] اقبالنامہ حصہ اوّل ص ۲۸۶
[۳۴] ایضاً ص ۲۸۷
[۳۵] ایضاً ص ۲۸۱
[۳۶] اقبال اور حیدرآباد — ص ۷۲ ۔ ۱۷۳

لاھور : یکم فروری ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر ڈاکٹر عباس علی خان

نوازش نامہ اور اُس کے ملفوظات کے لیے سراپا سپاس ہوں - مسٹر محمد علی مرحوم کا خاتمہ بخیر ہوا - اگرچہ میں اُن کی سیاست کا کبھی بھی مدّاح نہ تھا ، لیکن ان کی اسلامی سادگی اور آخری سالوں میں اپنی بعض آرا کے بدل لینے میں جس امانت و دیانت کا انھوں نے ثبوت دیا ، بہت احترام کرتا ہوں - اپنے متعلق اُن کی پیشگوئی بھی درست ثابت ہوئی اور اس سے بھی قوم میں ان کا وقار بڑھ گیا ہے - مسجد اقصیٰ[1] میں آخری آرام گاہ کا میسّر آنا اُن کی خوش نصیبی ہے جس سے اُن کا مرتبہ بلند تر ہو گیا ہے -

اب تو محض ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ان کا مرتبہ نہایت ارفع ہو چکا ہے - اللہ تعالی انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے -

اُمید ہے آپ آج کل کی سیاست سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہونگے -

مخلص محمد اقبال[۳۷]

---

۳۷ - ایضاً - ص ۱۷۲

++

نوٹ : علامہ اقبال کے عزیز دوست ، شاگرد اور عقیدت مند ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ حیدرآبادی ،جن کا یہ مضمون آپ نے پڑھا ، اچھے شاعر تھے اور اردو ، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے - ٹیگور سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے - لیکن اس کا اظہار کم کرتے تھے اور نام و نمود سے کوئی علاقہ نہ رکھتے تھے - " اقبال نامہ " (مرتبہ شیخ عطاءاللہ) میں ان کا ذکر آیا ہے - پروفیسر اکبر رحمانی (کاشانہ سبیل ۳۷ - بھوانی پیٹھ،جلگاواں،مہاراشٹر، انڈیا) نے یہ معلومات افزا مضمون " المعارف " کے لیے ارسال کیا ہے ان کے شکریے کے ساتھ اِسے شائع کیا گیا ہے -

(ادارہ)

++